فضلاءِ دینی مدارس کی ذمہ داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حضرت ابوداود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:

''جو طلب علم کی راہ میں چلے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ فراہم کرتے ہیں، طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں، عالم کے لئے زمین وآسمان کی تمام چیزیں دعاء مغفرت کرتی ہیں، یہاں تک کہ پانی کی آغوش میں رہنے والی مچھلیاں بھی، عالم کی فضیلت عبادات گذار شخص پر ایسی ہی ہے جیسے چودھویں شب کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، کہ انبیاء نے درہم ودینار کی میراث نہیں چھوڑی، بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے، جو علم سے سرفراز ہو، اس نے (انبیاء کی میراث سے) بڑا حصہ پایا''۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۸۲)

اس ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں علم دین کے حاملین اور طالبین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ کائنات کی تمام چیزیں ان کے لئے دعا گو ہوتی ہیں، عبادت وبندگی مشقت طلب عمل ہے اور ہر مذہب میں عبادتوں اور ریاضتوں کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، لیکن عالم کو نمایاں طور پر عبادت گذار سے افضل قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر عابد ستارہ ہے تو عالم چودھویں کا چاند، پھر علماء کو میراثِ نبوت کا حامل قرار دیا گیا، اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی؟ لیکن اگر اس حدیث پر گہرائی سے غور کیا جائے اور جن الفاظ وکلمات سے عالم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کے دائرہ کو ملحوظ رکھا جائے، تو اس حدیث سے عمل کا پیغام بھی ملتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت خوش اسلوبی اور حکمت کے ساتھ مدح وستائش کے پیرایہ میں علماء کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

چاند کا کام کیا ہے؟ اندھیروں کو روشن کرنا، راہ گیروں کے لئے راستہ کی پہچان کو آسان کرنا، راہ بھٹکے ہوؤں کو گم گشتہ راہی سے بچانا اور اپنا سینہ جلا کر ایک عالم کو روشنی پہنچانا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ عالم کا یہ فریضہ منصبی ہے کہ وہ امت بلکہ پوری انسانیت کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دے، وہ اپنے ماحول اور سماج کے لئے قبلہ نما کی حیثیت رکھتا

ہے، جس کے ذریعہ لوگ ایک کعبۂ مقصود کو جان سکیں، اسی لئے بہ مقابلہ عابد کے اس کی فضیلت زیادہ ہے، کیونکہ عبادت کرنے والے کے عمل کا جو کچھ نفع ہے وہ اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور ایک عالم چاند کی طرح ہے جس کی روشنی سے پوری دنیا مستفید ہوتی ہے۔

جو لوگ علم دین حاصل کرتے ہیں، وہ دراصل حق کے چوکیدار ہیں، ان کا کام صرف اس قدر نہیں کہ کسی مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دیں، کسی مسجد میں امامت کرلیں اور سمجھیں کہ ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی، یقیناً بچوں کی تعلیم اور مسجد کی امامت بھی بڑا کام ہے اور ان ہی وسائل کے صدقہ بظاہر اس ملک میں چہار طرف سے آتش عناد سلگنے کے باوجود اسلام کا شجرۂ طوبیٰ سرسبز وشاداب صورت میں موجود ہے، لیکن علماء کی ذمہ داریاں اس سے زیادہ ہیں۔ جو لوگ مدارس میں نہیں آتے، ان میں طلبِ علم کی پیاس کیوں کر پیدا ہوگی؟ جو لوگ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کی لذت سے محروم ہوں، انہیں کس طرح خدا کی چوکھٹ تک لایا جائے گا؟ جن کی زندگیوں میں حلال وحرام کی سرحدیں ٹوٹ چکی ہیں، یہاں تک کہ شعائرِ اسلام کے تعظیم واحترام کی توفیق سے بھی وہ محروم وتہی دامن ہیں، ان کے ایمان کی سرد انگیٹھیوں کو کیوں کر سلگایا جائے گا؟ جو مسلمان انسانی حقوق کے تقاضوں سے بے گانہ ہوتا جارہا ہے اور ایثار کی جگہ خود غرضی، اخوت ومحبت کی جگہ نفرت وعداوت، عدل کے بجائے ظلم، تواضع وانکسار کے بجائے کبر ونخوت، اسلامی بھائی چارہ کے بجائے طرح طرح کے تعصبات اور شرافت وحیاء کی جگہ تہذیب وثقافت کے نام پر بے حیائی نے لے لی ہے، آخر ان سماجی اور روحانی بیماریوں کا علاج کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ علماء کا منصبی فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک اور موقع پر کس خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''زمین میں علماء کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کی، جن سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستے کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، پھر اگر ستارے ڈوب جائیں تو قریب ہے کہ راہ چلنے والے راستہ سے بھٹک جائیں''۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۱۸۹)

یہ تعبیر کتنی بلیغ ہے! کہ جیسے ستارے رات کی تاریکی میں سفر کرنے والے راہ روؤں کے لئے راستہ بتانے کا کام کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ بے دینی، بے عملی اور فسادِ عقیدہ کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، انہیں منزلِ مقصود تک جانے والا راستہ دکھانا علماء کی ذمہ داری اور ان کا منصبی فریضہ ہے۔ موجودہ حالات میں جب کہ اسلام پر چوکھا حملہ

ہورہا ہے، اور بیک وقت کئی جہتوں سے دین حق پر یورشیں کی جارہی ہیں، علماء اور دینی مدارس کے فضلاء کے لئے حقیقت کو جان لینا ضروری ہے کہ ان کی حیثیت کسی اسکول اور جز وقتی آفس کے ملازم کی نہیں، بلکہ ان کی حیثیت سرحد پر مقرر حفاظتی فوجوں کی ہے، ایک ایسے سپاہی کی ہے جو صرف خدا سے اجر پانے کے لئے کام کرتا ہے اور جو اپنی سرحد کی ایک ایک انچ کی حفاظت کے لئے خونِ جگر کا تحفہ پیش کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ مصر سے کہا تھا کہ تم مسلسل سرحد کی حفاظت پر مامور رہو، گویا جنگ کی حالت میں ہو۔ حالانکہ اس وقت مصر کی سرحدوں کو کوئی قابل ذکر خطرہ درپیش نہیں تھا۔ یہ کون سی جنگ تھی؟ یہ جنگ تہذیب وتمدن کی جنگ تھی، یہ جنگ مسلمانوں کو شعائرِ اسلام پر باقی رکھنے کی جنگ تھی اور یہ جنگ ان ہزاروں لوگوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی جنگ تھی، جو ابھی دامن اسلام میں آئے تھے۔

یہی جنگ ہے جو اس وقت مسلمانوں کو اس ملک میں لڑنی ہے اور اس کی کمان علماء کو اپنے ہاتھ میں لینی ہے، یہ جنگ تیغ وشمشیر اور توپ وتفنگ کی نہیں، بلکہ دعوت واصلاح اور امت کے مسائل کے بارے میں فکرمندی اور دردمندی کی ہے۔ جو لوگ انبیاء کے وارث نہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس درد کی میراث میں بھی حصہ دار ہوں، کہ یہ انبیاء کی خصوصیت رہی ہے، انسانیت کے بے راہ لوگوں کے لئے ان کی آنکھیں رات رات بھر خدا کے سامنے ابلتی رہتی تھیں، ان کا سوز دروں لوہے جیسے دلوں کو بھی پگھلا کر رکھ دیتا تھا اور جیسے کوئی مچھلی پانی کے لئے اور کوئی مریض جاں بہ لب صحت و شفاء کے لئے بے چین ہوتا ہے، اسی طرح وہ بے چین ہوتے تھے کہ کیوں کر محرومانِ ہدایت کو ایمان کا آبِ حیات پلا دیں اور کس طرح مریضانِ روح کو صحت وشفا سے شاد کام کریں! یہی کسک جب تک کلیجوں کو بے سکون نہیں کرے، ممکن نہیں کہ عالم اس فریضہ کو انجام دے سکے۔ جو وارثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت سے اس کے ذمہ آتی ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ علماء اور مشائخ موجودہ حالات میں اس حقیقت کو سمجھ لیں، کہ درس گاہوں کی چھتوں اور خانقاہوں کی خلوت گاہوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت نہیں ہوسکتی، اگر علماء امت کے دوسرے مسائل سے پہلوتہی کرنے لگیں تو یہ ایسا خسارہ ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔

یہی علماء حق کا طریقۂ کار رہا ہے، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کارواں کو دیکھئے کہ کلکتہ کے ساحل سمندر سے سرحد کے میدانِ کارزار تک، کہاں کہاں اس کے نقشِ پا ثبت ہیں؟ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دیوبندی کی درس گاہ میں بھی ہیں، شاملی کے کارزار میں بھی اور میلۂ خداشناسی میں حق کی ترجمانی کا حق بھی ادا کررہے ہیں، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ عیسائیت کا تعاقب کرنے کے لئے آگرہ سے حجاز ومصر اور ترکی تک پہنچتے ہیں، مولانا محمد علی مونگیریؒ اپنے شیخ

کے حکم پر کانپور کے راحت کدہ کو چھوڑ کر مونگیر پہنچتے ہیں اور فتنۂ قادیانیت سے ایک بڑے علاقہ کے میدان کی حفاظت کرتے ہیں، مولانا انور شاہ کشمیریؒ ایک بلند پایہ محقق اور ایسے محدث ہیں کہ علماء کے درمیان ان کے علم کا طوطی بولتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حفاظت کے لئے کہاں کہاں کی خاک چھانتے ہیں؟ اور اپنے خلوت کدہ کو خیر باد کہہ کر فتنۂ قادیانیت کی عین جائے پیدائش پنجاب پہنچ کر اس نامراد فتنہ کی سرکوبی فرماتے ہیں، شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ استاذ الاساتذہ ہیں، لیکن اپنے گوشۂ عافیت کو چھوڑ کر کہاں کہاں کی صحرا نوردی کی؟ یہاں تک کہ جرمِ بے گناہی میں مالٹا کے قید خانہ تک پہنچے۔

پھر ذرا اور اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھئے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ تعالیٰ اور برصغیر پاک و ہند کے کونہ کونہ میں آسودۂ خواب صوفیاء کی تاریخ پڑھیے، یہ سب اپنے عہد کی مشہور و مقبول درس گاہوں کے تربیت یافتہ تھے، وہ کہاں پیدا ہوئے؟ کہاں سے فیض حاصل کیا؟ کہاں کہاں جا کر خیمہ زن ہوئے؟ اور کہاں خود ان کے ذریعہ چشمۂ فیض جاری ہوا؟ اس سرزمین کو جن بزرگوں کی نسبت سے عزت حاصل ہے، ان میں ایک بابا شرف الدین سہروردیؒ ہیں، جو عراق میں پیدا ہوئے اور کتنے ہی دشت و بیاباں سے گذر کر، دکن میں اولین داعیٔ اسلام کی حیثیت سے فروکش ہوئے اور ۵۸۷ھ میں یہیں وفات پائی، اگر اس نقطۂ نظر سے صوفیا کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام کی تاریخ و دعوت کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے اور یہ علماء کے لئے متاعِ عبرت ہے۔

سلف صالحین میں کم ہی ایسے لوگ ملیں گے کہ جس مٹی میں پیدا ہوئے ہوں اسی مٹی کو اپنی ابدی خواب گاہ بھی بنایا ہو، غرض علماء زندگی کے تمام مسائل میں امت کے رہنما ہیں، انہیں اپنے مقام کا ادراک کرنا ہوگا، جب ہی وہ حالات کے بھنور سے اس سفینہ کو ساحل مراد تک پہنچا سکیں گے۔ ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا مسئلہ ہو، عبادات اور شعائر اسلامی میں کوتاہی کی صورت ہو، سماجی زندگی میں حق تلفی اور ظلم و ناانصافی کی بات ہو، مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی کی مہمات ہوں، ہر محاذ پر انہیں ایک مخلص سپاہی کی طرح آگے بڑھنا ہوگا، اس کے بغیر وہ بدلتے ہوئے حالات میں اس امت کی رہنمائی کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے اور اگر علماء نے اس کو نظر انداز کیا، تو پھر کوئی طبقہ نہیں جو اس ذمہ داری کو اس کے حدود و آداب اور تقاضوں کے ساتھ ادا کر سکے۔

☆.....☆.....☆